ایک فرد' جو خود ملّت تھا

آیت اللہ محمد علی تسخیری ○

علامہ مودودی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے وہ عظیم انسان تھے، جنھوں نے موجودہ جامع اسلامی بیداری کی بنیادیں رکھیں، جبکہ دشمنانِ اسلام طویل عرصے سے اسلامی بیداری کے خلاف کام کر رہے تھے۔ اس عظیم مجاہد ملت کی ولادت کے سو سال مکمل ہونے پر اس کی یاد منانا ہمارے لیے باعثِ فخر و مسرت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ علامہ مودودیؒ نے تمام مسلم علاقوں میں اسلامی حکومت کے قیام اور اسلامی انقلاب کی شمع کو فروزاں کرنے کے لیے ان تھک جدوجہد کی۔ آپ کا ان تمام قائدین سے بھی رابطہ تھا جن میں آپ تبدیلی لانے کی صلاحیت دیکھتے تھے۔ آپ نے ابھی اس دنیا سے آنکھیں بند نہیں کی تھیں کہ امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ نے، علامہ مودودی کے سالِ وفات میں--- ایران میں اسلامی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کی وفات پر علامہ خمینی نے ان الفاظ میں تعزیت کی:

> اُمتِ اسلامیہ اپنے ایک قابلِ فخر عالمِ دین اور مفکر سے محروم ہو گئی ہے۔ علامہ مودودیؒ نے اسلامی مقاصد اور پوری دنیا کے مسلمانوں کی خاطر نمایاں خدمات پیش کیں۔ آپ صرف پاکستان کے مسلمانوں ہی کے عظیم دینی قائد نہ تھے، بلکہ پورے عالم اسلام کے رہنما تھے۔ آپ نے عالمِ اسلام میں اسلامی انقلاب کی تحریک کا احیا کیا، جس سے اسلامی انقلاب کا پیغام ہر خطۂ ارضی تک پھیل گیا۔ اسلامی بیداری کے تمام حامیوں کا

○ سیکرٹری جنرل' عالمی تقریب بین المذاہب الاسلامیہ' تہران (ایران)

☆ عربی سے ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی

فرض ہے کہ وہ ان مقاصد و اہداف کو پانے کے لیے لگاتار کام کرتے رہیں۔ آپ کی وفات عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

جب امام خمینی، مولانا مودودی کو اتنا اچھی طرح جانتے تھے تو پھر میرے جیسے لوگوں کے لیے آپ کو جاننا کچھ دشوار نہیں ہونا چاہیے۔ اسلامی انقلاب کے لیے آپ کی لازوال جدوجہد کے اعتراف میں، ہم عرض کرتے ہیں کہ امام المودودیؒ، قرآن کی جامع حکومت کے عاشقوں میں سے ایک تھے۔ آپ نے اس مقصد کے لیے اپنی زندگی وقف کی اور بے پناہ تکالیف جھیلیں، اگرچہ آپ اپنا ہدف اسلامی نظام کا عملاً قیام، اپنی زندگی میں نہ پا سکے، تاہم آپ نے بڑے واضح اور روشن الفاظ میں اس راستے کی نشان دہی کر دی۔ منصوبے کے خدوخال واضح کر دیے، امید کی شمع روشن کی، اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو مسلسل بروئے کار لائے اور آئندہ نسلوں کے لیے اپنی فکر اور زندہ تجربات کا خزانہ چھوڑ گئے۔ عظیم مقصد پانے کے لیے آپ کی ہمہ گیر فکری و عملی جدوجہد کے نکات درج ذیل ہیں:

۱- عالمی سطح پر جامع اسلامی نظریہ کا احیا۔ ۲- حکومتِ اسلامی کی طرف دعوت کا احیا۔
۳- اسلامی معاشرے کے خطوط نمایاں کرنا اور اسلامی معاشرے کے خدوخال کی وضاحت۔

ہم اختصار کے ساتھ انھی تینوں نکات پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں۔

۱- جامع اسلامی نظریہ کا احیا: مغرب کا متکبرانہ منصوبہ بظاہر اسلامی نظریۂ حیات کو کچلنے میں کامیاب ہوا، اور اس کی جگہ مقامی اور علاقائی نظریہ کو رائج کیا اور اسی کو دل و دماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح ہر خطہ زمین اپنے جغرافیائی عناصر قومیت، زبان، تاریخ، مقامی رسم و رواج، اپنے مخصوص سرچشموں بلکہ اپنی مصنوعی سرحدوں پر زور دینے لگا۔

اگرچہ پورے عالم اسلام پر قبضہ کرنے کی استعماری منصوبہ بندی، چند عشروں کے بعد ناکام ہوگئی، مگر ''آزادی'' حاصل کرنے والے ممالک اس ''آزادی'' کے بعد بھی استعماری فکر ہی کے غلام رہے اور جامع اسلامی نظریہ اپنے معاشروں میں بدستور اجنبی ہی رہا۔

ہمیں اس کردار کا احساس ہے جو اسلامی نظریہ کے احیا اور نمایاں کرنے میں سید جمال الدین افغانی، علامہ محمد اقبالؒ، امام حسن البنا شہید، سید قطب شہید، مولانا مودودی، امام خمینی اور شہید باقر الصدر نے ادا کیا۔ حتیٰ کہ یہ نظریہ ابھرا اور پھر گزشتہ صدی میں ساٹھ کے عشرے کے دوران میں

پوری توانائی اور شان و شوکت سے سامنے آیا۔ مولانا مودودی مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''قرآن کریم چاہتا ہے کہ تم اللہ کے بندوں پر حجت بن جاؤ، جب وہ فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ (البقرہ ۲:۱۴۳) (اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔) اگر تم نے یہ مقصد حاصل نہ کیا تو تم نے اپنی زندگی ضائع کر دی۔ اس لیے انسانی ہدایت کا مسئلہ ہماری تمام سماجی اور قومی جدوجہد کا محور بننا لازمی ہے''۔

مولانا مودودی اپنی متعدد تحریروں میں اسلامی نظام کے قیام پر توجہ مبذول کرانے کی کوشش کرتے رہے اور باطل نظاموں خصوصاً سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم سے اسلامی نظام کے فرق کو واضح کرنے میں مصروف رہے۔ آپ نے اسلامی نظام کو عملاً نافذ کرنے کے نظریے پر نہ صرف زور دیا، بلکہ اس نظام کو ایک زندہ و موجود شے کے طور پر پیش کرنے کی جدوجہد کی۔ آپ کی ان کوششوں کے نتیجے میں، ایک طرف مسلم عوام میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کا شوق پیدا ہوا، تو دوسری طرف ایسی مضبوط تحریکوں اور پارٹیوں کے قیام کے لیے زمین ہموار ہوئی جو نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنے لگیں۔ اس مشن کے لیے آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں چنانچہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ جیل میں گزارا۔ مگر یہ رکاوٹیں آپ کو عالم اسلام کی فکری رہنمائی سے نہ روک سکیں۔ مسلم عوام، جماعتوں اور مسلم دنیا کی یونی ورسٹیوں نے ہر جگہ آپ کی فکر کا والہانہ خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ۱۹۹۳ء میں ایک بڑے اسلامی اجتماع میں آپ کو ''امام المسلمین'' کا خطاب دیا گیا۔

مولانا مودودی کا ایک اہم کارنامہ اسلامی دستور کے مسئلے کا حل پیش کرنا ہے۔ آپ نے پاکستان میں ''فرقوں کے عملی وجود کو تسلیم کرنے کے باوجود اسلامی قانون کے نفاذ'' کے اعتراض کا بہت خوب صورتی سے جواب دیا ہے۔ یاد رہے کہ یہی اعتراض ایران میں اسلامی دستور کی تشکیل کے موقع پر کیا گیا۔ امام مودودی کہتے ہیں:

''یہ اعتراض کہ اسلام میں بہت سے مذہبی فرقے ہیں اور ان میں سے ہر فرقے کی دوسروں سے الگ مستقل فقہ ہے۔ اب اگر کسی اسلامی ملک، مثلاً پاکستان میں اسلامی قانون کا نفاذ قرار پا جائے تو کس فرقے کی فقہ اس قانون کی بنیاد بنے گی؟

جو لوگ پاکستان اور دوسرے مسلمان ملکوں میں اسلامی قانون کے نفاذ کی مخالفت کرتے ہیں، ان کی نظر میں اس اعتراض کا بڑا وزن اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ اس اعتراض سے ایسی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں جو انھیں کسی اور اعتراض سے نہیں ہیں۔ وہ اس کی بنیاد پر آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں گے اور اسلام کے خطرے کو ٹالنے کا اپنا مقصد پالیں گے۔ دوسری طرف اس اعتراض سے وہ بہت سے مخلص مسلمان بے چین و مضطرب ہیں جنھیں حقیقتِ حال کا علم نہیں اور راستہ ان پر واضح نہیں۔ انھیں اس مشکل و پیچیدہ مسئلہ کا کوئی حل نظر نہیں آتا--- حالانکہ یہ اعتراض سرے سے پیچیدہ و مشکل ہے ہی نہیں اور یہ گذشتہ تین صدیوں میں ایک دن کے لیے بھی قانونِ اسلامی کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اسلامی قانون کا بنیادی ڈھانچہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام و قواعد اور قطعی حدود پر مشتمل ہے، جسے مسلمانوں کے تمام فرقے اور گروہ یکساں تسلیم کرتے ہیں اور آج سے پہلے، ان میں اس بارے میں کبھی اختلاف ہوا اور نہ اس زمانے میں اس اختلاف کا کوئی وجود ہے۔ مسلمانوں میں اب تک جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی احکام و مسائل کی تعبیر اور مباحات کے دائرے میں آنے والے قوانین و ضوابط کی تشریح میں ہے۔

ان اختلافات کی حقیقت یہ ہے' کہ ایسا نہیں ہے کہ مسلم علما میں سے اگر کوئی عالم اسلام کے کسی حکم کی تعبیر بیان کرتا ہے، یا ہر وہ مسئلہ جس کا استخراج کوئی مسلم امام اپنے قیاس یا اجتہاد سے کرتا ہے، یا ہر وہ فتویٰ جسے کوئی مسلمان مجتہد، استحسان کی بنیاد پر صادر کرتا ہے تو وہ بذات خود کوئی قانون نہیں ہے۔ عالم، امام یا مجتہد تو بس ایک رائے اور تجویز پیش کرتا ہے۔ یہ اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک اس پر اجماع امت نہ ہو جائے یا جمہور عوام اسے تسلیم نہ کر لیں۔

پھر یہ اجتماعی اور جمہوری مسائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جس پر اب تک مسلمانوں کا اجماع ہے یا ہر صدی میں عالمِ اسلام کی اکثریت نے اسے قبول کیا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس پر کسی ایک ملک کا اجماع ہے یا اسے وہاں کے مسلمانوں کی اکثریت نے قبول کر لیا ہے۔ پہلی قسم کے مسائل اگر اجتماعی ہوں تو ان پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں، تمام مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا چاہیے کیوں کہ یہ ان کے قانون کا حصہ ہیں۔ اگر یہ مسائل جمہوری ہوں تو ضروری ہے کہ جس خاص ملک میں

ان کے نفاذ کا ارادہ ہے، وہاں کے مسلمانوں کی اکثریت کی رائے کا اس بارے میں لحاظ رکھا جائے کہ آیا وہ اسے اپنے لیے بطور قانون پسند کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ تو بات تھی فقہ کی پرانی کتابوں کے بارے میں۔ جہاں تک مستقبل کی بات ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی بھی حکم کی تعبیر، قیاس، اجتہاد یا استحسان، جب اس پر کسی مسلمان ملک کے اہل حل و عقد کا اجماع منعقد ہو جائے تو یہ اس ملک کا قانون بن سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے بھی مسلمان ملکوں کا قانون انھی فتاویٰ پر مشتمل ہوتا تھا جو اس ملک کے سب مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہوتے تھے یا اس ملک کی غالب اکثریت انھیں مانتی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ جمہوری اصول پر اس مسئلے کے حل کے اس کے علاوہ کوئی اور شکل بھی تجویز کرنا ممکن ہو۔

اس کے بعد اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسلامی ریاست میں اُن فرقوں کی پوزیشن کیا ہوگی جو اکثریت کے ساتھ متفق نہ ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان فرقوں کو پرسنل لا کے طور پر اپنی فقہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی مملکت میں اس مطالبے کو قبول کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک مملکت کے پبلک لا کا تعلق ہے اسے بہرحال اکثریت کے مذہب پر ہی مبنی ہونا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اگر ہم آج قانونِ اسلام پر متفق نہیں تو پھر ہم پر کفر کے قوانین نافذ کر دیے جائیں۔ مسلمانوں کا کلمہ کفر پر اتفاق ایک ایسا قبیح معاملہ ہے جس کا خیال بھی مسلمانوں کے کسی فرقہ کے فرد کو نہیں آنا چاہیے۔ اگرچہ اس خیال کو شاید کسی حد تک وہ تھوڑے سے لوگ پسند کریں جن کے دلوں میں کفر کی محبت انڈیلی جا چکی ہے اور جو کفر کے قوانین و ضوابط کے نشہ سے سرشار ہیں"۔

اسی سے ہمیں ایران کے اسلامی آئین کے عادلانہ موقف کا اندازہ ہوتا ہے، جہاں اس اصول کو دو سطحوں پر لاگو کیا گیا ہے:

- اول، عام سطح پر، امامی (اکثریت کے) مذہب کی تمام پبلک امور میں پیروی کی جائے گی۔
- دوم، مقامی سطح پر، یعنی جن علاقوں میں اہلسنت کی اکثریت ہے، وہاں انہیں اپنے مذہب کے مطابق، مجالسِ شوریٰ کے اختیارات کی حدود میں پرسنل لا اپنانے کی اجازت ہوگی۔

علامہ مودودیؒ نے متحدہ ہندستان کے خصوصی حالات کے تناظر میں مسلمان اور

موجودہ سیاسی کش مکش لکھی۔ جس سے آپ کی مسلمانوں کے مسائل سے دل چسپی کا پتہ چلتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مودودی پورے عالم اسلام کی المناک حالت سے رنجیدہ خاطر تھے، کیونکہ مسلم دنیا کے بڑے حصے پر غیروں کا قبضہ تھا۔ مسلمانوں کے پاس مستقبل کا کوئی باقاعدہ' واضح اور متعین منصوبہ نہ تھا، بلکہ وہ مختلف افکار و نظریات میں منقسم تھے۔ وہ قرآنِ عظیم کو بھولے ہوئے تھے، اسلامی اخلاقیات سے محروم رہتے ہوئے وہ عہدوں اور منصبوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ علامہ مودودی نے برصغیر کی تقسیم کے موقعے پر ۱۹۴۷ء میں اپنی تقریر میں خبردار کرتے ہوئے کہا تھا" کچھ مسلم شہری جلد ہی راہ راست سے منحرف ہوکر اپنے محدود مقاصد کے لیے سرگرم ہو جائیں گے"۔ واقعی ایسا ہو کر رہا۔ آپ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین کشمکش ختم کرنے کے لیے اس وقت منصوبہ تجویز کیا۔ آپ نے مسلمانوں کی تربیت اور ذہن سازی پر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے دعوتِ اسلامی پر توجہ دینے کی تاکید کی، تاکہ تقسیمِ ہند کے واقعے سے پیدا ہونے والے اثرات کی تلافی ہو سکے۔ یہ مولانا کا منفرد تجزیہ تھا جس کے نتائج سے آپ نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ ایسے عظیم لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اپنا حال امت کے دکھ میں گزار دیتے ہیں، مگر مستقبل کے لیے پوری بیداری اور ہوش مندی سے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔

۲- **حکومت اسلامی کی طرف دعوت:** مغرب نے عالم اسلام میں سیکولرزم کے نظریے کو پورے شدومد سے پھیلایا حتیٰ کہ جامعہ ازہر، مصر کے کچھ فضلا بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے۔ کئی قومی پارٹیاں اور اہل قلم اسی دھارے میں بہہ گئے۔ سیکولرزم کی بنیاد پر عالم اسلام میں کئی ممالک بنے، حتیٰ کہ اب عالم اسلام کی قیادت کم و بیش انھی سیکولر عناصر پر مشتمل ہے۔ لادینیت کے اس طوفان بدتمیزی میں سید مودودی کی آواز ابھری جو پوری قوت کے ساتھ اسلامی حکومت کی جانب دعوت دے رہے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس پر تھی کہ اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے ہر حالت اور ہر طریقے سے تربیت اور ذہن سازی کا عمل پورا کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی حکومت ایک ایسی قیادت کے تحت بنے جو خلافت کی ذمہ داری اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہو۔ جس کی حاکیت کی شرائط قرآن وسنت سے ماخوذ ہوں، پھر یہ حکومت شریعتِ اسلامی کو نافذ کرے۔ اس حکومت کو امت منتخب کرے، کیونکہ امت ہی اللہ کی شریعت کی تطبیق کا قابل اعتماد ادارہ ہے۔

اسے مولانا مودودی خلافتِ عامہ کا نام دیتے تھے۔

امام مودودی اصطلاحات کے مابین فرق کرنے پر زور دیتے تھے' جسے ہم آپ کی کتاب قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں میں دیکھتے ہیں۔ آپ نے متعدد تحریروں میں ''مسلمانوں کی حکومت'' اور ''اسلامی حکومت'' میں فرق کیا ہے۔ ''اسلامی حکومت'' کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں جو اصل مقصود ہوتی ہیں۔ جس شخص میں بھی مطلوبہ شرائط پائی جائیں وہی اسلامی حکومت کا سربراہ بن سکتا ہے، خواہ اس کا نسب، مقام اور رنگ کوئی سا ہو۔ اسلامی حکومت کا قانون اسلام سے ماخوذ ہوگا اور اسی پر مملکت کا دستور مبنی ہوگا۔ اسلام ہی تمام زندگی کو، درپیش حالات کو دیکھتے ہوئے منظم کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ سید مودودی ہی کو ان تمام تجاویز کا اعزاز (کریڈٹ) جاتا ہے، جو بعد میں اسلامی حکومت کے لیے پیش کی گئیں یا ایران کے اسلامی دستور سے تھوڑا پہلے، اسلام کے بنیادی قانون کے لیے پیش ہوئیں یا اس دستور کے مسودہ و منصوبہ میں شامل ہوئیں جو مجمع البحوث الاسلامیہ کی طرف سے پیش کیا گیا۔

امام مودودی کی کتاب اسلامی ریاست کو اگر مسلم دنیا میں جدید اور ہمہ گیر بیداری کا سرچشمہ قرار دیا جائے تو ذرّہ برابر مبالغہ نہ ہوگا۔ اس میں اسلامی نظام زندگی کے بارے میں اہم بنیادی سوالات کے تسلی بخش مگر مختصر جوابات ہیں۔ جیسے اسلامی حکومت کے طریق ہائے کار، حکومت کی نوعیت اور اس کے مصادر، دستور کی تدوین کی کیفیت اور اسلامی حکومت کے اہداف وغیرہ۔ اس کتاب نے مسلم دنیا میں عوامی بیداری پیدا کی ہے۔ سید مودودی کی اسی کتاب سے امام خمینی متاثر ہوئے' اور انھوں نے گویا اس کتاب میں اپنا نظریہ ولایتہ الفقیہہ شامل کردیا۔ جس کا خصوصاً ایران اور عراق کے تمام حصوں پر مسلم عوام پر زبردست اثر پڑا۔ یہی وہ کتاب ہے جو ایران میں اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کا اہم عامل اور نظریاتی اساس بنی۔ پھر اسلامی مملکت کے قیام کی بنیاد اور اس کے دستور کی روح بنی۔

۳- اسلامی معاشرے کے خطوط اور خدوخال کی وضاحت: امام مودودی اسلامی معاشرے کے قیام کی خاطر پہلے ہی سے نمایاں نظریاتی و عملی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ جیسے شہید محمد باقر الصدر نے ایران کے اسلامی انقلاب سے بیس سال پہلے اپنی کتابوں کے ذریعے

اسلامی حکومت کے قیام کی منصوبہ بندی کی تھی۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیات قرآن کریم اور سنت نبویؐ سے ماخوذ ہوتی ہیں، مگر ان کی وضاحت کرنا، انہیں عوام کے ذہن میں بٹھانا، ان پر پڑنے والے تاریخی غبار کو مٹانا اور اسے ایک مکمل نظریہ کی تفصیلات کی صورت میں ڈھالنا ایک مشکل اور قابل قدر کام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سید مودودی نے یہ کارنامہ بڑی خوش سلیقگی سے سرانجام دیا اور ہر پہلو پر کئی کتابیں لکھیں۔ جن میں معیشت سے معاشرت تک، اور الٰہیات سے قانون تک مباحث کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یوں انھوں نے معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر کے مکمل اسلامی سماجی نظام کا نقشہ کار پیش کیا۔

اسلامی تربیت و اخلاق کے میدان میں آپ نے اہم اخلاقی اقدار توکل، صبر، استقامت پر زور دیا اور ان کے معاشرتی مفہوم کو اپنانے کی تلقین کی اور اسلامی نسلوں کی تربیت انھی اخلاقی قدروں پر کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے انگریز کے مسلط کردہ نظام تعلیم و تربیت کو من و عن تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ آپ نے بطور خاص ایک صالح جماعت تیار کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے سرکاری افسران کے نظام تربیت پر نظرثانی کا مطالبہ کیا۔ بلکہ آپ نے ایسے اعلیٰ اور عارفانہ تربیتی نظام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں انسان اپنے پروردگار سے مربوط ہو، اور وہ ایک ایسے معزز مخلص انسان میں بدل جائے جو سب سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے پر یقین رکھتا ہو۔ ہم نے دیکھا ہے کہ خود امام خمینی بھی اکثر اسی بات پر زور دیا کرتے تھے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: ''میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے دین اور امتِ اسلامیہ کے مفادات ہر چیز اور تمام دنیوی تعلقات سے زیادہ اہم ہیں''۔

مولانا مودودی ''قرآنی سلوک'' کے ذریعے نفسیاتی رفعت و بلندی پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں جو مومن قرآن کے انقلابی اصولوں کا حامل ہو، وہ سلوک کے تمام مراحل جلد طے کرے گا یعنی وہ قرآن کو مکمل صورت میں سمجھنے کے قابل ہو سکے گا۔ مولانا کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو انفرادی سطح پر اتنی صلاحیت دی ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے پوری گہرائی کے ساتھ تعلق قائم کر سکتا اور اس کا ادراک بھی کر سکتا ہے اور اس لیے اسے کسی کشف و کرامت وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ یوں مولانا مودودی نے ایک صحیح تصوف کے بارے میں انقلابی تصور پیش فرمایا ہے۔

مولانا مودودی نے اپنی کئی کتابوں میں اسلام کا اقتصادی نقطہ نظر پیش کیا۔ آپ نے زمین

اور دفینوں کے بارے میں اسلام کے نظریے کی وضاحت کی اور بتایا کہ اس میں انسان کا فطری اور مساوی طور پر کتنا حق ہے؟ آپ نے مال جمع کرنے کی مذمت کی، سود کی نفی کی اور اسراف کی خامیاں بتائیں۔ سرمایہ کے صرف مال داروں تک محدود و مرکوز رہنے پر تنقید کی اور عدل اجتماعی پر زور دیا۔ معیشت کی سطح پر باہمی کفالت اور توازن قائم کرنے کے لیے بیت المال کو منظم کرنے کی تاکید کی۔

عائلی زندگی کے ضمن میں مولانا مودودی نے مختلف پہلوؤں کا سیر حاصل تجزیہ کیا۔ اسلام کے بنیادی قلعے خاندان کے تحفظ کو اہمیّت دی، اور کھلے دل و دماغ سے تحقیق کی۔ آپ کے نزدیک پردہ جنسی بدنہادی اور بے راہ روی سے روکنے کے عوامل میں سے ایک ہے۔ جبکہ دیگر عوامل میں اخلاقی اصلاح اور تعزیراتی قوانین شامل ہیں۔

اسلامی اتحاد کے میدان میں آپ تعصب اور اندھی تقلید کی نفی پر زور دیتے ہیں (تقلید اور علمی تحقیق کے نتائج کی پیروی میں فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے)۔ آپ صرف قرآن و سنت کو معیار قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد علمائے سلف کے اقوال سے راہنمائی بھی لیتے ہیں۔

مولانا مودودی نے امت کو منقسم کرنے والے عناصر کے خلاف جہاد کیا، اور ساری زندگی ان عناصر کے سب وشتم کو برداشت کیا۔ محدود قومیت کے عناصر کے خلاف آپ کا جہاد محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کے نزدیک حقیقی وطنیت وہ ہے جو مکمل طور پر اسلام سے ماخوذ ہے۔ جس پر علامہ محمد اقبال لاہوریؒ زور دیتے تھے۔ آپ کا ایمان ہے کہ اسلام جس قومیت کا داعی ہے وہ دانش مندی کے فریم ورک یعنی شہادتین کے دائرے میں محدود ہے۔ یہ قومیت اخوت کا مظہر ہے۔ اس سے امت اور وطن کا مفہوم وسیع ہو کر تمام مسلمانوں کو اپنے دامن میں لے لیتا ہے۔

مولانا مودودی نے واضح کیا ہے کہ اسلام میں کوئی ایسا قانون نہیں جو علاقے، زبان یا رنگ و نسل کی بنا پر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر امتیاز یا فوقیت بخشتا ہو۔ تمام مسلمان عبادات، معاملات، سیاسی اور سماجی تعامل میں بالکل یکساں ہیں۔

مولانا مودودی کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اور انسانی حقوق کے میدان میں افکار تازہ پیش کرنا ہے، جسے مرکزی موضوع بنا کر ہمیں کلام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سید مودودی پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے اور آپ کو عظیم ثواب سے نوازے۔